حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی *

مسلم معاشرہ اور مغربی فکر و ثقافت

مسلمانوں کے لیے علوم انسانی کے میدان میں مناسب یہ ہے کہ اولاً اس سرمایہ پر توجہ مبذول کریں جو رسول V کی سیرت اور ان کی تعلیمات، صحابہ کرام، تابعین عظام نیز اس راہ پر چلنے والے ادباء، علماء، محققین اور مفکرین اور اصحاب سیاست وسماجیات سے حاصل ہوا ہے، پھر یورپ کے قدیم و جدید علوم میں سے تقاضائے زندگی کے مطابق کچھ چیزیں لیں جو ان کی طبیعت سے ہم آہنگ اور ان کے لیے مفید ہوں، یہی طریقہ مسلمانوں کے عظیم الشان تاریخی مقام و مرتبہ اور انسانی شرف و کرامت کے شایان ہیں، لیکن ان آخری صدیوں میں مشرقی اقوام اور مسلم امت سخت پسماندگی کے دور سے گزری، وہ وسائل زندگی سے محروم تھی اور کمزوری و ذلت کا شکار، جب کہ یورپین اقوام فاتحانہ شان و عظمت کے ساتھ آگے بڑھیں، اپنے استعماری مقاصد کے لیے ملکوں کو فتح کیا، وہاں کے خزانوں پر قبضہ کیا اور دوسری اقوام کو اپنی تقلید کے آستانہ پر جھکا دیا، ان سب حالات نے مسلم اقوام کو مرعوب کردیا، وہ سمجھنے لگیں کہ یقیناً یورپ ہی کی کاوشوں کے نتیجہ میں زندگی کے علوم و معارف وجود میں آئے ہیں اور ان ہی سے دوری نے مشرقی اقوام کو پسماندگی، سستی اور کاہلی کا شکار بنایا ہے، اقوامِ مسلم نے ساتھ ہی یہ بھی گمان کرلیا کہ یورپ اس بات کا مستحق ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں اس کی اتباع کی جائے، ہر صنفِ علم میں اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا جائے، اور یورپ کی علمی ترقیات، لادینی نظام اور اباحیت پسندانہ کردار سب میں اس کی تقلید کی جائے، یہ سوچ کر بعض مشرقی اقوام نے زندگی کے گوشوں اور اس کی تمام شکلوں میں یورپ کی اتباع کی، اور یورپ ہی کی مقلد چینی اور جاپانی قوم کو بھی معیار سمجھا، چین و جاپان کے پاس خود نظام زندگی نہیں تھا، اس تقلید ہی کو انھوں نے اپنے لیے معیار بنایا۔

لیکن امت مسلمہ کا معاملہ دوسرا تھا، وہ اسلام کا دائمی آسمانی دستور حیات رکھتے تھے، ان کے لیے اس بات کا جواز نہیں تھا کہ ادنیٰ پر فریفتہ ہوکر وہ اعلیٰ کو چھوڑ دیں:

أتستبد لون الذي هو أدنى بالذي هو خير"(البقرة : ١٦)

---

* صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟''

اپنی اقدار اور تعلیمات سے منہ پھیریں، البتہ دنیاوی امور میں رسول کریم V نے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ "إنه من أمر دنیا کم"یعنی تمہارے دنیاوی تجربے اور انکشافات جن کا اخلاقی ثقافتی اور دینی میدانوں سے تعلق نہیں ہے، ان سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو، اس لیے مسلمانوں پر یہ لازم تھا کہ وہ یورپ کی تقلید ان انسانی علوم میں کرنے سے پوری طرح گریز کریں جو انہیں نقصان پہنچانے والے اور ان کے اخلاق کو بگاڑنے والے ہوں، اسلام کا نظامِ اخلاق اور دستورِ زندگی اسلام کی بلند آسمانی تعلیمات پر مبنی ہیں، بے راہ انسانی افکار پر نہیں، اسلام کی نظر میں انسان خدا کا بندہ ہے، اس کی تخلیق بے مقصد نہیں ہوئی ہے، اس پر زندگی کے کچھ اصول وضوابط عائد کیے گئے ہیں، جو اس کی پوری زندگی پر محیط ہیں، چونکہ اللہ ہی انسان کا خالق ہے، اس لیے وہ انسان کی ضروریات، اس کے تقاضوں اور اس کے طبعی میلانات کو اچھی طرح جانتا ہے، اگر خدا انسان کے لیے کوئی نظام زندگی تجویز کرتا ہے تو بلا خوف تردید یہ بات کہی جائے گی کہ وہی نظام اس کی طبیعت وفطرت سے ہم آہنگ، اس کے تقاضوں کا پورا کرنے والا اور اس کی ضروریات کا کفیل ہوسکتا ہے، لہٰذا ایک فرد مسلم کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مفر نہیں، اسے بہر حال آستانۂ اطاعت پر سر خم کرنا ہے، لیکن اگر وہ یورپ کی تقلید کا دامن پکڑتا ہے تو اسے راہ زندگی میں ایسی گھاٹیاں پیش آئیں گی جو آسمانی نظام زندگی کی اتباع سے روک دیں گی، اب دو ہی صورتیں ہیں، یا تو ملحدانہ لادینی نظام زندگی کی بالکل اندھی اتباع کی جائے، اور موجودہ تہذیب کا حاشیہ بردار بن کو وقت گزارا جائے یا اپنے لیے اس راہ کا انتخاب کیا جائے جسے قرآن وحدیث کی تعلیمات نے ہموار کیا ہے اور ایک قائد ورہنما بن کر زندگی بسر کی جائے۔

لیکن قابل افسوس امر یہ تھا کہ مسلم انسان جو مسندِ قیادت پر ایک عرصہ رہ کر سوگیا تھا پھر صدیوں کی گہری نیند کے بعد ایسے وقت میں بیدار ہوا اس کی بیداری کے وقت یورپ ترقی وعمل کی راہوں پر بہت آگے بڑھ گیا تھا، چنانچہ وہ جدید یورپ کی تہذیب کی چمک دمک، کائنات کے علوم میں اس کی حیرت انگیز ترقی، اور انسانی علوم سے حد درجہ اشتغال کو دیکھ کر دہشت زدہ ہوگیا، اس نے دیکھا کہ یورپ نے قوت کے سرچشموں اور مادی خزانوں کو فتح کرلیا ہے، مشینی علوم میں نئی نئی پیش رفت کی، اس کی سیاسی سطوت کا آفتاب نصف النہار پر ہے اور اس کے نظریہ وفکر کی دھوم مچی ہے، یہ دیکھ کر وہ احساس کہتری کا شکار ہوگیا، اور اسی میں اپنی عافیت تصور کرنے لگا کہ اس کی تقلید کا جوا اپنی گردن میں ڈال لے،

تعلیم و تربیت میں جوں کا توں اس کا نظام اپنا لے اس نے اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ کون سی چیزیں ہمارے موافق اور ہمارے دین و مذہب سے میل کھاتی ہیں اور کون نہیں، اس نے تقلید کی رسی بالکل ڈھیلی چھوڑ دی، یورپ کا مکمل نظامِ تعلیم، نظامِ تربیت اور اس کے انسانی علوم کو جوں کا توں اپنی درس گاہوں میں اختیار کرلیا، اگر ان کے طے کردہ افکار کے بدلے کوئی دوسرے افکار تیار بھی کیے گئے تو اسی کے نہج پر۔

آج بھی عالم اسلامی کی درسگاہیں یورپین افکار وتصورات، یورپین علماء کے انکشافات اور ان کی تحقیقات کی خوشہ چیں ہیں، ان درس گاہوں کے ارباب و منتظمین کو ان یورپین علوم کی پاکیزگی پر یقین ہے اور انہیں اس بات کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی کہ اپنی نسلوں کو یورپین تہذیب وثقافت کے سانچہ میں ڈھلنے سے بچائیں، جس سانچہ کو مغرب کے ان مفکرین وفلاسفہ نے تیار کیا تھا جن کے خمیر میں صالح انسانی اخلاق کا عنصر شامل نہ تھا۔

اگر ہم اسلامی مشرق اقصیٰ سے اسلامی اقصیٰ تک کا ایک جائزہ لیں تو یہ افسوسناک امر سامنے آئیگا کہ وہاں کی درسگاہوں، تربیت کے مراکز اور نظام ونصاب تعلیم سب کے سب یورپین نظام کے مطابق اصل نسخہ ہیں جس میں یورپ کی وہ تمام خرابیاں اور اس کی وہ تمام خصوصیتیں موجود ہیں جو مشرق اور اسلام دونوں کے معارض ہیں۔

علم معاشیات وسیاست، علمِ تاریخ وجغرافیہ، فن ادب ونقد، علم النفس اور علمِ تربیت، علمِ ثقافت و تمدن وغیرہ میں ہم دیکھتے ہیں یورپ کی جاہلی عقلیت اور اسلوب زندگی کا بڑا گہرا اثر ان پر پڑا ہے، جاہلیت یہاں بھی ہے اور جاہلیت قبل از اسلام کفر کے ماحول میں بھی تھی، فرق اس قدر ہے کہ یورپ کی جاہلیت تعلیم یافتہ ہے، اور قبل اسلام جاہلیت ان پڑھ جاہلیت تھی۔ ہماری رائے کی صداقت کے لیے ان یونیورسٹیوں اور درسگاہوں میں علوم ومعارفِ انسانی کا نصاب دیکھنا کافی ہوگا۔

علم معاشیات پر سب سے زیادہ بلکہ بری طرح یہودی سودی فکر، یا ملحدانہ مارکسی فکر کا اثر آیا۔ غیر سودی اداروں کا قیام چند سالوں پہلے ایک جھوٹا خواب تصور کیا جاتا تھا، بلکہ اسے درویشوں اور پسماندوں کا تصور خیال کیا جاتا تھا، لیکن آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ حق ظاہر ہوا اور باطل مغلوب، غیر سودی بینک اس وقت ایک واقعہ بن کر سامنے آچکے ہیں، جن سے انکار ممکن نہیں، دنیا کے مختلف خطوں میں کچھ لوگ اس کا کامیاب تجربہ کر رہے ہیں ''کارل مارکس'' کا نظریہ تھا کہ مذہب قوموں کے لیے افیون ہے

اور ضروریات زندگی کی تکمیل کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، لیکن آج غیر سودی اداروں کی کامیابی نے اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

جمہوریت کو لیجئے، یورپ نے ''روسو'' کے نظریات قبول کیے، معاشیات کو لیجئے یورپ نے ''مارکس'' کا نظریہ اپنایا، سیاست کو لیجئے یورپ نے ''میکا فیلی'' کا نظریہ اپنایا، مغربی اہل قلم اور مصنفین سے استفادہ کرنے والوں نے ان نظریات کا بڑا اثر قبول کیا، کیونکہ ان کی پوری تشریحات اپنے پڑھنے والوں کے دلوں میں زبردست اثر ڈالتی تھیں، کچھ ہی عرصہ میں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسلام کے پاکیزہ نظام پر عمل کرنا ہی اب ممکن نہ رہا، اور ترقی کے زینے طے کرنے کے لیے تنہا مغرب سے استفادہ ضروری ہوگیا، ہمارے نوجوان اور طلبہ اپنی درس گاہوں میں اور اپنے اساتذہ سے اسی قسم کی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

رسول کریم V نے اس بات کی ممانعت فرمائی تھی کہ کسی طالب علم کو منصب و عہدہ سپرد کیا جائے، اس طرح آپ نے جاہ و دولت کے لالچیوں کے لیے دروازہ ہی بند کر رکھا تھا، لیکن مغرب کا نظریہ منصب کے حصول کے لیے یہ تعلیم دیتا ہے کہ نہ صرف اس کا مطالبہ کرے بلکہ اس کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کے سارے جتن کر ڈالے، امیدوار تمام ذرائع کو اختیار کرتا ہے، پروپیگنڈہ اور جھوٹ کا بازار گرم کر دیتا ہے تا کہ ہر صورت میں وہی کرسی صدارت پر فائز ہو سکے، اور اگر قسمت نے یاوری کی، اور کرسی تک پہنچ گیا، تو پھر اس کی تمام تر کوششوں کا محور یہ ہوتا ہے کہ کن کن طریقوں سے دولت و مناصب کے انبار وہ اکٹھے کر لے، اس کے لیے ظلم، زبردستی، دھوکا و چال بازی کے تمام طریقوں کو اختیار کرنا چاہتا ہے، افسوس ناک بات یہ ہے کہ آج لوگوں کا دماغ ان چیزوں کا ایسا عادی ہو چکا ہے کہ اسے کسی بدل کی امید ہی نہیں رہ گئی ہے، یورپ کے پروپیگنڈہ نے اسلام کے نظریہ کو ایسا مشکوک بنا کر پیش کیا ہے جس پر عمل کرنا گویا ترقی یافتہ زندگی میں ممکن ہی نہیں رہ گیا ہے۔

تاریخ کے موضوع کو لیجئے تو اس موضوع کا سب سے اہم حصہ یورپ کی تاریخ ہے، اسی کو زیادہ جاننا اور اس سے فیض اٹھانا ہے، تعلیم گاہوں کے ہر فرد پر گویا یہ لازم ہو جاتا ہے کہ یورپ کی پوری تاریخ تمام جزوی تفصیلات کے ساتھ پڑھے، اب اگر وہ اپنی امت اور اپنے ملک کی تاریخ سے نا آشنا ہے تو کوئی عیب کی بات نہیں، رہی اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، تو اس کا نمبر سب سے بعد میں آتا ہے۔

یہی حال جغرافیہ کا ہے، مسلم طالب علم اپنی جامعات میں یورپ اور امریکہ کا جغرافیہ پڑھتا ہے

یا ان ممالک کا جغرافیہ جو سیاسی یا اقتصادی اعتبار سے کوئی افادیت نہیں رکھتا ہے، رہے اخلاقی اور دینی پہلو، اسی طرح انسانی آداب وامتیازی صفات مغربی نصابِ تعلیم کے تیار کرنے والوں اور تعلیمی نظام وضع کرنے والوں کی نظروں سے اوجھل ہی رہتے ہیں۔

آج سے ایک صدی قبل جزیرۃ العرب کے جغرافیہ کی کوئی اہمیت نہ تھی، مواد تلاش کیا جاتا تو جس قدر مواد دوسرے جغرافیوں کا ملتا جزیرۃ العرب پر نہ ملتا، لیکن جب خدا نے جزیرۃ العرب میں سیال سونے بہادیئے تو اب اس کا جغرافیہ بھی تیار کیا جانے لگا۔

ادب وتنقید کے موضوع پر تو کچھ کہیے ہی نہیں، ان موضوعات پر کتابیں اٹھایئے، سب کچھ ملے گا، اگر نہ ملے گا تو اسلام، کیونکہ ان پر ان لوگوں کا تسلط رہا جو اخلاق و مذہب سے بے گانہ تھے، بلکہ وہ تھے جنہیں فرائیڈ، سارٹر کے افکار ونظریات پر ناز تھا۔

علم النفس اور علم تربیت تو فرائیڈ اور ڈارون کے نظریات میں رنگے ہوئے ہیں، یہی حال ثقافت وتمدن کا ہے۔

یورپ کی تعلیم گاہوں اور مراکز تعلیم کا جب یہ حال ہے تو وہاں چھڑنے والی سیاسی وسماجی معرکہ آرائیاں دین وحکومت کی آویزش اور اخلاقی انارکی کا انجام معلوم تھا، لیکن مشرق جو فضائل زندگی کی دولت سے فیضیاب تھا اسے یورپ کی اندھا دھند تعلیم کی ضرورت نہ تھی، اسلام نے اس کے ہر شعبۂ زندگی کے لیے تعلیمات اور ضوابط عطا کر رکھے تھے، ایسی بنیادیں اس کو فراہم کردی گئی تھیں جن پر انسانی زندگی کی عظیم الشان عمارتیں تعمیر کی جاسکتی ہیں۔

لیکن یہ نظریات جو مغرب سے بہہ کر مشرق میں آتے رہے ہیں اور انسانی علوم کی شکل ہمارے ادارے اور تعلیم گاہیں بڑے فخر واعزاز کے ساتھ انہیں قبول کرلیتی ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سنگریزوں اور ریت کو ملا کر کوئی دیوار اٹھا رہا ہو، ظاہر ہے یہ دیوار کب تک کھڑی رہ سکتی ہے۔

سب سے بڑی ذمہ داری اس سلسلہ میں ہماری تعلیم گاہوں کی ہے جنہوں نے اب تک اس حقیقت کو نہیں اپنایا کہ انہیں اپنے نصاب اور نظام تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت ہے، فاسد اور انسانی حسن وکمال سے خالی نصاب کو چھوڑ کر ٹھوس اور صالح نصاب تیار کرنے کی ضرورت ہے۔